ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

**ڈاکٹر حنا کنول**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

**ڈاکٹر شبنم نیاز**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور ۔

# ڈاکٹر تبسم کاشمیری اور ڈاکٹر سلیم اختر کی ادبی تاریخ نگاری اور دبستانِ لکھنؤ

**Dr. Hina Kanwal**
Assistant Professor, Lahore College for Women University, Lahore.
**Dr. Shabnam Niaz**
Assistant Professor, Lahore College for Women University, Lahore.

## Literary Chronicles of Dr. Tabasem Kashmiri and Dr. Saleem Akhtar and Dabestan Lucknow

The history writing of Urdu literature is very important but is a very difficult task. Literary historian have adverted the history or Urdu literature in order to era-wise order cannot be fulfilled logically owing to movement's genres and the area-wise division of its grading. That is why whenever we throw a glimpse over the literature history in Lucknow, we find many ambiguities in the scenario of genres, political and civilization manners which one of the best history of Urdu literature in the aspect of Lucknow school of thoughts. This answer is yet to be received Dr. Tabassum Kashmiri and Dr. Solemn Akhtar have presented the literary scenes of Lucknow in a very pretty way, but Dr. Tabassum Kashmiri has debited his views very impressively rather than others writhers.

**Keywords:** *History, Urdu Literature, Important, Historian, Movements, Glimpse, Lucknow, Political.*

دبستانِ لکھنؤ کی اصطلاح اردو ادب میں ایک متنازعہ اصطلاح کے طور پر رائج رہی ہے۔ اب کئی ادبی محققین و ناقدین دہلی اور لکھنؤ کو الگ الگ دبستان ماننے کے بجائے ایک ہی سلسلے کی دو الگ کڑیاں مانتے ہیں۔ اس حوالے سے علی جواد زیدی کی کتاب ''دو ادبی اسکول'' میں مدلل نکات اور مستند مثالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ لکھنؤ الگ دبستان کے بجائے اردو ادب کا نیا مرکز تھا اور لکھنوی شاعری دہلی شاعری کی ایک

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

توسیعی شکل ہے۔ جس میں دہلی شاعری کی تمام خصوصیات کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس نظریے کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بیسویں صدی کے نصف اوّل کی ادبی تاریخوں کے برعکس نصف دوم کے ادبی موّرخین نے تاریخ نویسی میں شعرا کی خصوصیات بیان کرنے کے ساتھ متعلقہ دور کے سیاسی و سماجی حالات کو بھی سمجھنا اور پرکھنا شروع کیا۔ ان عوامل کا بھی جائزہ لیا جانے لگا جو ادیب و شاعر کے فن پاروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دبستانِ لکھنؤ کو ادبی موّرخین نے کن خصوصیات کے ساتھ بیان کیا ہے اس بات کا جائزہ لینے کے لیے جن دو کتابوں سے زیادہ استفادہ کیا گیا ان میں سے ایک ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ''اردو ادب کی تاریخ، ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک'' ہے جو ۲۰۱۶ء میں سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور سے چھپی ہے اور دوسری ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' کا اکتیسواں ایڈیشن ہے جو ۲۰۱۶ء ہی میں سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور سے شائع ہوئی۔ ان کتب کو منتخب کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی ادبی موّرخین نے متعلقہ دور کے ادبی حوالوں کے ساتھ سیاسی اور سماجی محرکات کے تناظر میں شعرا کا ذکر کیا ہے۔ نثر کی کمی یہاں بھی برقرار ہے اور لکھنوی نثر کے مجموعی مطالعے کے بجائے مخصوص ادیبوں کا علیحدہ علیحدہ دوسرے ابواب کے تحت ذکر ہوا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی کتاب ''اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک'' اب تک لکھی گئی تمام ادبی تواریخ کی کتابوں میں منفرد انداز کی حامل ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے تاریخِ ادب کو سائنسی اور معروضی انداز میں بیان کیا ہے۔ کسی شاعر، ادیب، رجحان، علاقے یا دور کے ادب کا جائزہ لینے سے پہلے اس دور کے سیاسی، سماجی اور ادبی حالات کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے اور پھر اس پس منظری مطالعے کی روشنی میں متعلقہ شاعر، ادیب، رجحان، علاقے یا دور کے ادب کا مطالعہ کیا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری اپنی تاریخ نگاری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اقتصادیات، دیومالا، سیاسی تاریخ، تہذیبی و ثقافتی عوامل فلسفہ اور نفسیات وغیرہ کی روشنی میں اس دور کا تجزیہ مکمل کریں گے۔ اس مطالعہ میں بنیادی اہمیت تو ادب کو ہی حاصل رہے گی مگر ادب پر اثر انداز ہونے والے عوامل اور محرکات کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ کریں گے۔ اس طرح ہم ادبی تاریخ کو وسیع تناظر میں دیکھ سکیں گے۔''[1]

مصنف نے دیباچے میں جس معروضی مطالعے کا دعویٰ کیا ہے وہ کتاب کے مواد میں واضح طور پر نظر

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

آتا ہے۔ اگرچہ اس طرح کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی ہے تاہم اردو ادب جتنا وسیع ہو چکا ہے اب اسے ایک جلد میں سمیٹنا ممکن نہیں رہا۔ اس کے علاوہ کتاب میں باب کے حوالے سے شخصیات کی تصاویر اور علاقوں کے نقشے بھی شامل ہیں جو اس سے پہلے کسی ادبی تاریخی کتاب میں نہیں ملتے۔ نقشہ جات کی موجودگی نے متن کی تفہیم بڑھا دی ہے۔

> "ادبی مؤرخ کا کام صرف واقعات اور حقائق تک محدود نہیں ہے۔ وہ واقعات اور حقائق سے آگے بڑھ کر ایک اور اہم فریضہ انجام دیتا ہے۔ واقعات و حقائق اور تاریخ کے مطالعہ سے وہ ادبی تاریخ کے کسی دور، رجحان، نظریے یا کسی شخصیت کے بارے میں ایک وژن (Vision) مہیا کرتا ہے۔ ادب کی تاریخ کو جو قوت ادبی تاریخ بتاتی ہے۔ وہ ادبی مؤرخ کا وژن ہے۔ تاریخ کے خاموش، گم نام اور تاریک گوشوں کو اس کی ذہنی بصیرت روشن کر دیتی ہے۔ بکھرے ہوئے مواد اور غیر مرتب تصورات کو ایک مربوط معنی دے کر وہ کسی عہد کو بامعنی بنا دیتا ہے۔"[۲]

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے زیرِ نظر موضوع "دبستانِ لکھنؤ" کو چار ابواب کے تحت بیان کیا ہے جن کے عنوان بالترتیب یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| باب نمبر ۱۱ | دبستانِ لکھنؤ: سیاسی، تہذیبی اور ادبی تشکیل |
| باب نمبر ۱۲ | ادبی روایت کی توسیع: لکھنؤ ایک نیا ادبی مرکز |
| باب نمبر ۱۶ | لکھنؤ کی نئی شمعیں |
| باب نمبر ۱۹ | اردو مرثیہ: لکھنؤ کی مذہبی ثقافت کا ایک مظہر |

ابواب بندی میں لکھنوی روایت کو یکے بعد دیگرے نہیں لکھا گیا۔ باب نمبر ۱۱ میں سب سے پہلے لکھنو کی سیاسی تاریخ کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ نوابانِ اودھ کی سلطنت کا آغاز تاریخی اعتبار سے نواب سعادت خان برہان الملک سید محمد امین نیشاپوری سے ہوتا ہے لیکن ان کا دورِ حکومت سیاسی اور عسکری حوالے سے اہم ہے۔ جب کہ دہلی سے اہلِ فن کی ہجرت نواب شجاع الدولہ کے دور میں شروع ہوئی جب میر سراج الدین علی خان آرزؔو نواب شجاع الدولہ کے ماموں نواب سالار جنگ کی دعوت پر لکھنو آئے اور یہیں قیام کیا۔ ان کے بعد کئی اہلِ فن دہلی سے لکھنؤ ہجرت کرنے لگے اور نواب آصف الدولہ کے دور میں لکھنو ادب کے نئے مرکز کے روپ میں ابھرا۔ اس لیے ڈاکٹر

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

تبسم کاشمیری نے لکھنؤ کی سیاسی تاریخ کا آغاز نواب شجاع الدولہ کی وفات بمطابق ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء سے کیا ہے۔

باب کے اس حصّے میں لکھنؤ کی سیاسی تاریخ کو مکمل اور مفصل انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ سیاسی حالات کس طرح ادبی خارجیت کی بنیاد بنے اس کے بارے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> "اودھ کی سیاسی مجہولیت نے آغاز ہی مجلسی زندگی کے نشاط میں پناہ تلاش کر لی تھی رفتہ رفتہ یہ پناہ گاہ ان کے طرز زندگی کا ایک مستقل روپ بن گئی جس میں حکمران طبقے کو بہ یک وقت پناہ اور عافیت نصیب ہوتی تھی... سیاسی و عسکری مجہولیت نے اودھ کو زندگی کے میدانِ عمل سے نکال کر مجلسی زندگی کے گوشۂ عافیت میں مقید کر دیا تھا۔"(۳)

باب کے دوسرے حصے کو مصنف نے "تہذیب" کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ لکھنوی تہذیب و ثقافت کے اس دور میں اہلِ دلی کا گراں قدر حصّہ ہے اس لیے پہلے دلی کی تباہی اور خستہ حالی کا ذکر کر کے اہلِ فن کی ہجرت کی وجوہات بیان کی گئی ہیں پھر لکھنوی تہذیب کی تشکیل کے عناصر کا مفصل ذکر ہے۔ لکھنؤ کی مادی خوش حالی نے اہلِ لکھنؤ کے ساتھ ساتھ اہلِ دلی کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ زندگی کی معنویت بدل رہی تھی قلب و نظر کی بصیرت اعلیٰ مراتب کے حصول کی کوشش میں ڈھل رہی تھی اس طرح ادبی تاثر بھی داخلیت سے خارجیت کی طرف گامزن تھا۔

لکھنوی تہذیب میں شیعیت کے فروغ کے باعث تصوف سے دوری کا رجحان نمایاں تھا۔ نواب الدولہ کے دور میں شیعہ رسومات پھیلنے لگی تھیں۔ نوحہ گری اور ماتم پرستی نے انھیں خود اذیتی کا شکار بنا رکھا تھا۔ مجلسوں، امام باڑوں، مساجد اور کربلائوں کی تعمیر نے عالی شان باغان، محل سرائوں، عشرت کدوں اور بازاروں کی تعمیر کی راہیں ہموار کر دی تھیں۔ ظاہری نمود و نمائش زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں تھی۔ فکری گہرائی مفقود ہونے لگی تھی لیکن کئی ایسے اوصاف ابھرنے لگے تھے جنھیں ناقدین اور محققین نے عرصہ دراز تک کم اہم سمجھا۔ ادبی تنقیدوں اور تاریخوں میں لکھنؤ کی مجہولیت کو تو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا لیکن اس تہذیب کی شائستگی، نفاست، وضع داری، آدابِ محفل، طرزِ تکلم اور ادبی محفلوں کا محض سرسری ذکر ہی کافی سمجھا گیا۔ تاہم ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تاریخ نگاری میں لکھنؤ کے منفی اور مثبت دونوں زاویوں کو یکساں اہمیت دی ہے۔ جہاں خارجی مظاہر کا جائزہ لیا ہے وہیں فنی اور ثقافتی خصوصیات بھی زیرِ بحث آئی ہیں۔

تیسرے حصّے کو "ادب" کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔ اس حصّے میں دبستانِ دلی اور دبستانِ لکھنؤ کی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

شاعری میں موازنے کی کیفیت نظر آتی ہے۔ مصنف اہلِ دلی کی شعری روایات کو اہلِ لکھنؤ کی شعری روایات کے مقابل رکھ کر ان کی مماثلتیں اور اختلافات بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس موازنے میں کہیں بھی کمتری کا احساس دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ اپنے اپنے سماجی تناظر میں دونوں رنگ فطری ہی نظر آتے ہیں۔ باب کے اختتام پر دبستانِ لکھنؤ کے متعلق تحقیقی و تنقیدی تعصبات پر بحث کی گئی ہے۔ ان معایرات کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جو دبستانِ دلی کے شعری ناقدین نے دبستانِ لکھنؤ کی شعر گوئی پر بھی لاگو کئے۔ جب کہ دونوں کی تہذیبی روایات اور فکر مکمل طور پر مختلف تھا۔ لہٰذا فطری بات ہے کہ ان کا تخلیقی سرمایہ بھی مختلف ہوتا۔

ایسا نہیں ہے کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے لکھنوی شاعری کی کمزوریوں کو بھی خوبیاں بنا کر پیش کیا ہے یا خامیوں کو سرے سے نظر انداز ہی کر دیا ہے۔ بلکہ انھوں نے لکھنوی شاعری کی خارجیت، جنسیت، لفاظی، ظاہریت اور لسانی کھیل پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ لکھنؤ کی مجموعی فضا میں اسی طرح کی شعری روایت پروان چڑھ سکتی تھی۔ لیکن متذکرہ خصوصیات دبستان کا محض ایک حصہ ہیں اور استاد شعراء کے ہاں ان سے گریز کا رویہ مستقل پایا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دلی سے لکھنؤ آنے والے مصحفیؔ کی شعری روایت میں لکھنوی رنگ پیدا نہ ہوتے اور دبستانِ لکھنؤ صرف انشاؔئ، جراؔت، رنگینؔ اور ناسخؔ تک ہی محدود رہتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعصبات کے پردے ہٹا کر لکھنؤ کے ادبی سرمائے کو جانچا جائے تاکہ اردو ادب کا قاری درست اور مکمل حقائق سے باخبر ہو سکے۔

دوسرا باب ”ادبی روایت کی توسیع: لکھنؤ ایک نیا ادبی مرکز“ کے عنوان کے تحت رقم کیا گیا ہے۔ لکھنوی شاعری کو دہلی شاعری سے علیحدہ دبستان کے نام سے موسوم کریں یا نئے ادبی مرکز کا نام دیں۔ یہ بات واضح ہے کہ لکھنوی ادب کا فروغ دہلی سے ہجرت کرنے والے اہلِ فن کی بدولت ہی شروع ہوا۔ دبستانِ لکھنو کی بنیاد میں اہلِ دلی کی سوچ، فکر، تخلیق اور جذبہ کار فرما نظر آتا ہے لہٰذا ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اس باب میں ان اہم شعرا کا ذکر کیا ہے جنھوں نے دہلی سے ہجرت کی۔ یہ تمام وہ لوگ تھے جن کے دم قدم سے لکھنؤ میں شاعری کی شمع خوب روشن ہوئی اور اہلِ لکھنو نے انھی کی فکر کو بنیاد بنا کر اختراعات کیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث نے اپنی کتاب میں انیس شعراؒ کے نام لکھے ہیں جنھوں نے دہلی سے لکھنؤ ہجرت کی۔ ان میں وہ تمام شعرا بھی شامل ہیں جن کا تعلق دبستانِ دلی سے گہرا تھا اور وہ آخری سانس تک اپنی روایات پر قائم رہے، ان میں میرؔ اور سوداؔ اہم نام ہیں، اس کے علاوہ وہ شعرا جن کی شاعری کا کوئی بھی رنگ اتنا گہرا نہیں تھا کہ وہ تاریخ ادب میں جگہ بنا پاتے۔ ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن ڈاکٹر تبسم

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کاشمیری نے درج بالا دونوں قسم کے شعرا کو شاملِ باب نہیں کیا۔ انھوں نے اس باب میں میر حسنؔ، مصحفیؔ، انشاؔ، جراٗتؔ اور رنگینؔ کو بیان کیا ہے۔ اول الذکر دو شعرا کی شاعری میں دہلوی شاعری کی داخلیت، حُسنِ معانی اور تغزل بڑی حد تک موجود رہا۔ جب کہ ثانی الذکر تینوں شاعر دہلی سے تعلق رکھنے کے باوجود خالصتاً لکھنوی مزاج کے حامل تھے۔

وہ شعراء جن کا تعلق سرزمینِ لکھنو سے تھا اور انھی کے اثر سے لکھنؤ میں شاعری کا ایک نیا مزاج ابھرا، باب نمبر ١٦ ''لکھنؤ کی نئی شمعیں'' کے تحت لکھا گیا ہے۔ ثانوی اہمیت کے حامل شعرا کو نظر انداز کر کے دبستان، لکھنؤ کے نمائندہ شعرا آتشؔ، ناسخؔ، نسیمؔ، واجد علی شاہ اور امانت کا تفصیلی ذکر ہی باب کا حصّہ ہے۔ شعرا کی اس تقسیم سے جہاں علاقائی اثرات نمایاں ہوئے ہیں وہاں دبستانِ لکھنؤ کی ابتدا سے انتہا اور عروج سے زوال کے ارتقائی سفر کی بھی پوری تصویر نظر کے سامنے آجاتی ہے۔

ابواب کے متن کی بات کی جائے تو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے بہت تفصیل کے ساتھ شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔ دہلی سے ہجرت کی وجوہات، لکھنؤ میں مختلف درباروں سے وابستگی، دیگر سوانحی حالات، کلام کی خصوصیات، آپسی معرکے اور ادبی مقام سب زیرِ بحث آیا ہے۔ حتیٰ کہ میر حسنؔ اور نسیمؔ کی شاہ کار مثنویوں کا تنقیدی تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ مثنویوں کے کرداروں کو فرداً فرداً سماجی، مذہبی، ادبی اور نفسیاتی نکتہ نظر سے زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ شعرا کے کلام کے نمونے بھی شامل ہیں۔ مصحفیؔ کے آٹھوں دواوین کا اجمالی تعارف بھی شاملِ باب ہے۔ اس طرح ہر شاعر کا مکمل احوال قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ اس ضمن میں چند نکات توجہ طلب ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ہجری اور عیسوی دونوں سنین درج کئے ہیں۔ زیادہ تر ان سنین کو اختیار کیا گیا ہے جن پر اکثریت متفق ہے اور اختلافی تواریخ لکھنے سے گریز ہی کیا گیا ہے۔ شعراء کے کلام کے نمونے تو لکھے گئے ہیں لیکن ان کا ماخذ تحریر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح دوسرے محققین یا ناقدین کی آرا بھی شاعر کے تذکرے میں شامل نہیں۔ مصنف نے سوانحی حالات میں مکمل ربط تو پیدا کر دیا ہے لیکن درج بالا مواد تشنگی کا باعث ہے۔ اس کے علاوہ جہاں انشاؔ اور مصحفیؔ اور آتشؔ اور ناسخؔ کے باہمی موازنے کی بات ہوئی ہے وہاں کسی ایک شاعر کی طرح مصنف کا ہلکا سا جھکاؤ بھی محسوس ہوتا ہے۔ یعنی ڈاکٹر تبسم کاشمیری بعض جگہوں پر غیر جانب داری برقرار نہیں رکھ پائے۔ مثلاً مصحفیؔ اور انشاءؔ کے معرکے کے بیان میں مصحفیؔ اور آتش اور ناسخ کی رقابت میں آتشؔ کی طرف جھکاؤ نظر آتا ہے ایسی صورتِ حال میں دوسرے شاعر کے لیے مصنف کے جملوں میں ہلکی سی طنز کی کاٹ بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ انشاء

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دوسروں کو لفظی عجائبات کا کرشمہ دکھا کر چونکا دینے والا شاعر اپنی خود بینی اور خود نمائی کے نشہ میں جو کچھ کرتا رہا اسے شاعری سے بہت کم تعلق تھا۔ اپنے لفظوں کی بنائی ہوئی دنیا میں وہ اپنا عکس دیکھ کر سرشار رہتا تھا اور بالآخر یہ ہی سرشار اس کی تباہی کا سامان بن گئی... لکھنؤ کی تہذیبی سرگرمیوں اور اپنی ہنگامہ خیزیوں نے اسے فرصت ہی نہ دی کہ وہ اپنی شاعری کے المیہ پر کبھی سوچ سکتا۔"(۵)

ناسخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک ناسخ کی شاعری کا تعلق ہے تو اس شاعری پر روزِ اول سے زوال کی چاپ خاموشی سے سنائی دینے لگتی تھی۔ ناسخ وہ شاعر تھا کہ جس نے اسلوب پرستی کے عشق میں اپنی شاعری کا دامن بہت سکیڑ رکھا تھا۔ اردو شاعری کے جن مضامین و مطالب کی اس نے نفی کی تھی ان ہی مضامین و مطالب نے خود اس کی بھی نفی کر دی تھی... وہ کبھی بھی اپنے اندر کا سفر نہ کر سکا۔"(۶)

یہ طنزیہ کاٹ دوسرے شعرا میں نظر نہیں آتی۔ حتیٰ کہ جرأت اور رنگین کی جنسی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے مصنف کا لہجہ مدافعتی نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ جرأت کے ذکر میں بھی ان کے ادبی مرتبے کو بڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ مصنف کہتے ہیں:

"اردو ادب کی تاریخ میں اگر ہم جرأت کا ادبی مقام متعین کرنا چاہیں تو ہم اسے ایک عہد ساز شاعر قرار دے سکتے ہیں۔"(۷)

جب کہ مقابلتاً اردو ادب کے ناقدین اور محققین نے جرأت کی معاملہ بندی اور لکھنویت کی تحسین کے باوجود ان کے کلام کو "آفاقی" ہرگز نہیں کہا۔ جمیل جالبی کہتے ہیں:

"جرأت کا کلام اس آفاقیت سے عاری ہے اور اس لیے وہ آج اتنے بڑے شاعر نہیں رہے جتنے اپنے زمانے میں تھے۔ جرأت کی شاعری ہمیں بڑے ہونے کا فریب سا دیتی ہے۔"(۸)

یوں لگتا ہے کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری جرأت کی شاعری کے اسی فریب میں مکمل نہیں تو کسی حد تک ضرور آ گئے ہیں۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

باب نمبر انیس "اردو مرثیہ: لکھنؤ کی مذہبی ثقافت کا ایک مظہر" جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے مکمل طور پر مرثیہ کا احاطہ کرتا ہے۔ مرثیہ کو علیحدہ سے ایک باب کی صورت میں لکھنا ہی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ تبسم صاحب نے اس صنفِ سخن کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی ہے۔ باب میں لکھنؤ کی مذہبی فضا جس میں شیعہ عقائد اور رسوم کا غلبہ تھا، کے مجموعی تذکرے کے بعد اردو مرثیہ کے آغاز، عروج، زوال اور نمائندہ لکھنوی مرثیہ گو شعرا کا مکمل تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انیسؔ اور دبیر زیرِ بحث آئے ہیں۔ گزشتہ ابواب کی طرح اس میں بھی شعرا کا مکمل تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انیسؔ اور دبیر زیرِ بحث آئے ہیں۔ گزشتہ ابواب کی طرح اس میں بھی شعرا کے مکمل سوانحی حالات، کلام کی خصوصیات اور تنقیدی تجزیے شامل کیے گئے ہیں۔ لیکن مصنف نے کہیں اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ انھوں نے باب بارہ اور سولہ میں انیس و دبیر کا ذکر کیوں نہیں کیا اور مرثیہ کو علیحدہ باب کی صورت میں کیوں لکھا گیا۔ جب کہ مثنوی، ریختی اور ڈرامہ کی اصناف ان ہی ابواب میں نمائندہ شعرا کے تذکرے میں ضمنی طور پر بیان ہوئی ہیں۔

زیرِ نظر مواد کی مجموعی صورت دیکھی جائے تو چند لکھنوی اصنافِ سخن کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے۔ دبستانِ لکھنو کے زیرِ اثر واسوخت، ریختی، ہجو، قصیدہ وغیرہ پروان چڑھے۔ لیکن ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ان اصناف کا جائزہ نہیں لیا۔ ریختی کا ذکر رنگینؔ کے تذکرے کے تحت آ گیا ہے، واجد علی شاہ اور امانت کے حوالے سے ڈرامے کی صنف بھی تفصیلی زیرِ بحث آئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک باب کو مکمل طور پر مرثیہ گوئی کے ذکر تک محدود رکھا گیا ہے۔ لیکن واسوخت، ہجو اور قصیدہ نظر انداز ہو گئے ہیں۔

یہ چند نکات کتاب کے مجموعی تاثر کو ختم نہیں کرتے۔ مصنف کا تحقیقی اور معروضی مطالعہ، داستان کا سا ربط اور دلچسپ اسلوب تمام مواد پر حاوی ہی نظر آتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ایسے زاویوں سے دبستانِ لکھنو کو دیکھا اور پرکھا ہے جو مثبت ہونے کے ساتھ ساتھ ضروری بھی تھے۔ وہ تمام تعصبات جو دبستانِ لکھنؤ سے منسوب ہو چکے ہیں، اس کتاب سے ان کا تاثر مٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ خارجیت، جنسیت، تغزل سے دوری اور لفظوں کا کھیل لکھنوی شاعری کی خامیوں کے بجائے اس دور کا فطری ردِعمل محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس طرح لکھنوی شاعری دہلوی معیارات سے ہٹ کر آزاد فضاؤں میں سانس لیتی نظر آتی ہے جو اپنے آپ میں ایک نئے رویے کی شروعات ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر کی زیرِ نظر کتاب "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" میں "دبستانِ لکھنو" کو نویں باب کے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

تحت رقم کیا گیا ہے جس کا عنوان ”لکھنو کا دبستانِ شاعری“ ہے۔ یہ باب صفحہ نمبر ۱۸۴ سے صفحہ نمبر ۲۱۲ یعنی کل انتیس (۲۹) صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں اکیس ذیلی عنوانات کے تحت لکھنوی عہد کے اردو ادب کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ سلیم اختر کا اسلوب تمثیلی اور افسانوی رنگ لیے ہوئے ہے جو عموماً ادبی تواریخ میں اپنایا نہیں جاتا۔ ذیلی عنوانات میں افسانوی رنگ اور بھی نمایاں ہے۔ مثلاً 'بتِ شوخ وشنگ، ناز و انداز کا اسلحہ: ریختی، عیش کوش، اردو کی بدنام ترین مثنوی، دور ہے فرنگیوں کا'' وغیرہ

ڈاکٹر سلیم اختر نے محض انتیس صفحات میں لکھنو کی دو سو سالہ ادبی تاریخ کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اس کی مجموعی نوعیت اگرچہ بس تعارفی ہی ہے لیکن تمام رجحانات، اہم شعرا، اہم اصنافِ سخن اور لکھنؤ کے سماجی اور ادبی احوال کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اختصار اس کتاب کا نمایاں وصف ہے اور بقول مصنف یہ کتاب ایک ادبی کیپسول کی مانند ہے جو اردو زبان و ادب کی ضروری معلومات، اساسی کوائف اور موزوں آراء فراہم کر دے۔ لیکن اس اختصار نے کئی پہلوؤں کو تشنہ رکھا ہے۔ جن کا تذکرہ حسبِ ذیل ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر بلا شک وشبہ اعلیٰ پائے کے نقاد ہیں ان کی تنقیدی آرا کی اہمیت سے کسی طرح انکار ممکن نہیں تاہم تاریخ نگاری کے عمل میں ان کے قلم سے کئی لغزشیں ہوئی ہیں۔ زیرِ بحث باب میں تاریخی غلطیوں کی ابتدا پہلے ہی عنوان میں ہو جاتی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

> ”تاریخی لحاظ سے جائزہ لینے پر ۱۷۲۲ء کا سن بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سن میں سعادت علی خان (۱۷۹۸ء-۱۸۱۴ء) کو اودھ کا صوبہ دار نامزد کیا گیا۔ اس وقت دارالحکومت فیض آباد تھا۔“ (۹)

اس ایک جملے میں دو بڑی تاریخی غلطیاں کی گئی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ سن ۱۷۲۲ء کو سعادت علی خان کی صوبہ داری کے حوالے سے لکھنو کی تاریخ کا اہم سال لکھا گیا ہے۔ جب کہ اگلے ہی جملے میں سعادت علی خان کا دورِ حکومت ۱۷۹۸ء سے ۱۸۱۴ء تحریر کیا ہے۔ اس طویل زمانی اختلاف کی وجہ دراصل دو نوابان اودھ کے ناموں کی مماثلت ہے جس پر فاضل مصنف نے غور نہیں کیا۔ ابتدا میں جن صاحب کو اودھ کا صوبے دار نامزد کیا گیا ان کا نام سعادت خاں برہان الملک سید محمد امین نیشاپوری اور خطاب سعادت خان برہان الملک تھا اور متذکرہ سعادت علی خان اودھ کے چھٹے حکمران تھے۔ جو ۱۷۹۸ء میں تخت نشین ہوئے۔

دوسری غلطی یہ کی گئی کہ مصنف نے ابتدا میں ہی فیض آباد کو اودھ کا دارالحکومت لکھا ہے جب کہ تاریخِ

لکھنؤ کے مطابق سعادت خان برہان الملک کو جب اودھ کا صوبہ دار بنایا گیا اس وقت فیض آباد نامی شہر کا وجود نہ تھا۔ سعادت خان نے بعض سیاسی اور عسکری مصلحتوں کی بنا پر اودھ سے باہر دریائے گاگرہ کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی کی بنیاد رکھی جسے "بنگلہ" کا نام ملا۔ یہی بستی بعد میں "نواب صفدر یار جنگ" کے عہد میں فیض آباد کے نام سے موسوم ہوئی۔ اگلے ہی پیراگراف میں مصنف لکھتے ہیں:

"اودھ کی حکومت ۱۷۲۰ء میں سعادت خان برہان الملک سید محمد امین نیشاپوری (۱۷۲۰ء تا ۱۷۳۹ء) کے ہاتھوں قائم ہوئی۔" (۱۰)

گویا ڈاکٹر سلیم اختر نے نام کی غلطی تو دوسرے ہی پیراگراف میں درست کر لی لیکن آغاز سلطنت کے لیے ایک نیا سنہ لکھ دیا۔ تاریخی اعتبار سے مختلف مؤرخین اور محققین میں سعادت خان برہان الملک کی صوبہ داری کے سال میں اختلاف ہے۔ محمد باقر نے اپنی تصنیف "تاریخ لکھنو" میں ۱۱۳۳ھ بمطابق ۲۱-۱۷۲۰ء [۱۱] لکھا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے "لکھنو کا دبستان شاعری" میں ۱۷۲۴ء [۱۲] تحریر کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر سلیم اختر کا چند سطروں کے فرق سے دو مختلف سنین دینا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ محترم مصنف کو خود اپنی رائے پر اعتبار نہیں۔

یہ تحقیقی کمی اور بے ربطی کی کیفیت باب میں کئی جگہوں پر بھی نظر آتی ہے۔ "مرکزِ علم و ادب" کے ذیلی عنوان میں مصنف کہتے ہیں کہ تمام نوابوں کے عہد میں غیر ملکی زبانوں سے علمی اور تحقیقی کتابوں کے اردو تراجم کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن یہ تراجم کن افراد نے کیے، کون سی تصانیف ترجمہ ہوئیں، کون سے ادارے اس سلسلے میں کام کرتے رہے، ایسی کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی صرف ایک جملے کو ہی کافی سمجھ لیا گیا ہے۔

مجموعی مطالعے سے ایک نکتہ واضح ہوتا ہے کہ مصنف دیگر ناقدین کی طرح جنسیت، نسائیت اور غیر اخلاق حالت کو دبستان لکھنؤ کی غالب ترین خصوصیت مانتے ہیں اور لکھنؤ کی معاشرت کے ان زوال آمادہ رویوں کو لکھنوی ادب کے ساتھ براہِ راست منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے اس طرزِ فکر پر کھلے لفظوں میں تنقید کی ہے اور ناقدین ادب کے اس رویے کو دبستانِ لکھنؤ کے تناظر کو مسخ کرنے کا سبب بھی کہا ہے لیکن خود وہ بھی اسی رویے کے شکار نظر آتے ہیں جس کے بارے میں علی جواد زیدی نے کہا ہے:

"سکول کا جواز پیدا کرنے کے لیے یہاں کی ساری شاعری کو اودھ کے نوابوں کی عیش پرستی کے سر تھوپنے کی کوشش کی گئی ہے۔" (۱۳)

ڈاکٹر سلیم اختر نے لکھنؤ کے معاشرے کا جائزہ تو پیش کیا ہے لیکن اس جائزے میں حکمرانوں کی عیش

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

پرستی اور عورت پرستی کا ہی بار بار ذکر ملتا ہے۔ واجد علی شاہ کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ اس کی محلاتی زندگی، طوائفوں کا ذکر، پکوانوں میں اختراعات، اس کی خوش ذوقی، مختلف علوم پر تصانیف غرض یہ کہ اس کی زندگی کا ہر پہلو مصنف نے بیان کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مصحفیؔ کے تذکرے میں اس کے شعری محاسن کے بیان کے بجائے اس کے دوسری عورتوں سے تعلقات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گویا لکھنؤ کی تہذیب کو نا صرف عورت کی تہذیب سمجھا گیا بلکہ پیش بھی اسی تناظر میں کیا ہے۔

اصنافِ سخن میں ریختی، مثنوی اور مرثیہ کا الگ عنوانات کی صورت میں جائزہ لیا گیا ہے۔ ریختی اور مثنوی کا ذکر تو کئی حوالوں اور نمائندہ شعرا کے ساتھ کیا گیا ہے تاہم مرثیہ جیسی اہم صنف کو ایک مختصر سے تعارفی نوٹ کی صورت میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ یہاں ایک اور بات غور طلب ہے کہ اردو کی نمائندہ مثنوی "سحر البیان" کو محض چند تعارفی سطور اور "گلزار نسیم" کو ایک صفحہ دیا گیا ہے جب کہ نواب مرزا شوقؔ کی ادبی معتوب مثنوی "زہر عشق" کو "اردو کی بدنام ترین مثنوی" کے ذیلی عنوان سے پورے چار صفحات دیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ عنوان زیرِ نظر باب کا سب سے طویل عنوان ہے۔ اس عنوان میں ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقیدی نظر واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ مثنوی "زہر عشق" کے حوالے سے تمام بحث تنقیدی ہے جس میں اس کے پلاٹ، کردار، شعری محاسن اور ادبی حیثیت کو جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس مثنوی کے حوالے سے ادبی تعصبات کو بھی زائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اس کی فحاشی کو لکھنوی تہذیب کے تناظر میں دیکھا ہے اور اسے عجلت پسندی سے موسوم کیا ہے۔

دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ شعرا میں پانچ شعرا مصحفیؔ، انشاؔ، جرأت، آتشؔ اور ناسخؔ کے بیان پر ہی اکتفا کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا مصنف نے مصحفی کے دوسری عورتوں کے ساتھ تعلقات کو خاصی اہمیت دی ہے۔ خواجہ حیدر علی آتشؔ کو دبستانِ لکھنو کا اہم شاعر قرار دیا ہے، ناسخؔ کی اصلاح زبان کی تحریک بھی ضمنی طور پر ہوئی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے برعکس انھوں نے دوسرے ادبی ناقدین کی آرا کو بھی اپنی رائے کے حوالے کے طور پر پیش کیا ہے جو کافی مثبت تاثر دیتا ہے۔ ہر شاعر کے لیے تھوڑی تھوڑی جگہ مختص کرنے کے باوجود ان کے کلام کے نمونے بھی لکھے ہیں لیکن ڈاکٹر تبسم کاشمیری ہی کی طرح ان کا ماخذ تحریر نہیں کیا۔

مجموعی حوالے سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب کو ادبی تاریخ کے بجائے اردو ادب کا انسائیکلوپیڈیا کہنا زیادہ بہتر ہے۔ انتیس صفحات کے باب میں انھوں نے دبستانِ لکھنؤ کے تمام متعلقات کا ذکر کر دیا

ہے۔ تفصیلات کی کمی تو موجود ہے لیکن ہر پہلو کو چھیڑا ضرور گیا ہے۔ مثلاً ''مصحفیؔ دور ہے فرنگیوں کا'' کے عنوان کے تحت لکھنوی شاعری میں انگریزی الفاظ کے استعمال کے رجحان کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جو لکھنوی ادب کے حوالے سے عام طور پر زیرِ بحث نہیں آتا۔ مختصر ہی سہی لکھنوی معاشرت کے مختلف پہلو بھی بیان ہوئے ہیں، سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی حالت بھی زیرِ بحث آئی ہے۔ اس طرح مذکور کتاب انسائیکلوپیڈیا کے زیادہ قریب ہے جو کم وقت میں زیادہ معلومات فراہم کر سکتا ہے لیکن ادب کے قاری کی تشنگی نہیں مٹا سکتا۔

دونوں مذکور کتابوں کے مطالعے سے اردو کی ادبی تاریخ نویسی میں گہرائی اور معروضیت کا رجحان نمایاں ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ رجحان ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی کتاب میں ڈاکٹر سلیم اختر سے نسبتاً زیادہ ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر بھی غیر جانب داری اور نئے معیاراتِ تنقید و تحقیق کی طرف اشارہ تو کرتے ہیں لیکن جگہ کی کمی ان کا دامن تھام لیتی ہے اور وہ سرسری تذکرے کے بعد آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جب کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے لیکن بعض اہم پہلوئوں کو نظر انداز کر گئے ہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ جب ادب کو جب علاقائی حوالے سے تقسیم کیا جاتا ہے تو متعلقہ علاقے کا تمام ادب خواہ نثری ہو یا شعری اس میں شامل ہوتا ہے لیکن دبستانِ دلی اور دبستانِ لکھنو دونوں ہی نثر کے ذکر سے خالی ہوتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دبستانوں یا ادبی مراکز کی تقسیم کے پیمانوں کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے تا کہ کہیں تشنگی کا پہلو باقی نہ رہے۔

حوالہ جات

۱۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۱۰

۲۔ ایضاً، ص ۱۴

۳۔ ایضاً، ص ۳۸۱

۴۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنو کا دبستانِ شاعری، جلد اوّل، غضنفر اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۲ء، ص ۲۸

۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۴۵۴

۶۔ ایضاً، ص ۶۰۷

۷۔ ایضاً، ص ۴۶۹

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخِ ادبِ اردو، جلد سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۶ء، ص ۸۶

۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، اکتیسواں ایڈیشن، ۲۰۱۶ء، ص ۱۸۴

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۵

۱۱۔ باقر شمس، محمد، تاریخ لکھنؤ، دارالتصنیف، کراچی، س۔ن، ص ۱۷۲

۱۲۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، ص ۲۲

۱۳۔ علی جواد زیدی، دو ادبی سکول، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۸۰ء، ص ۹۰